THE OTHER SIDE OF SILENCE

آوازیں جو سنائی نہیں دیتیں

آزادی کے وقت بچھڑ جانے والی عورتوں کی کہانیاں

اروشی بٹالیہ
ترجمہ: محمد وسیم

مشعل

میری والدہ سوبھدرا
اور میرے والد جوگندر کی یاد میں!
جنھوں نے مجھے تقسیم کے بارے میں بہت کچھ سکھایا

میرے ماموں 'رانا ماما' کے نام
جن کا ایک ایک دِن عذاب میں گزرا

اور میری نانی دیاونتی، یا عائشہ، کے نام
جس کی زندگی اور موت کو تقسیم نے ایک نئی شکل دے دی

MashalBooks.com

ترتیب

آغاز	7
خون	31
حقائق	69
عورتیں	107
غیرت	173
بچے	241
کم اہم لوگ	285
یادیں	329

MashalBooks.com

1

آغاز

MashalBooks.com

برصغیر کی سیاسی تقسیم تاریخ میں بڑے پیمانے پر انسانوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا باعث بن گئی۔ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد میں لوگ ایسی تیزی سے اپنے گھروں اور ملکوں سے بے دخل نہیں ہوئے تھے۔ چند ماہ کے اندر تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ افراد نئے کٹے پھٹے بھارت اور نوزائندہ پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصوں کے درمیان آئے گئے۔ ان مہاجرین کے ایک بڑے حصے یعنی ایک کروڑ سے زائد افراد نے اس مغربی سرحد کو پار کیا جس نے تاریخی صوبہ پنجاب کو تقسیم کیا۔ مسلمان مغرب کی جانب پاکستان کو جا رہے تھے جب کہ ہندوؤں اور سکھوں نے مشرق میں بھارت کا رُخ کیا۔ قتل عام بعض اوقات ان قافلوں کے ساتھ ساتھ رہتا اور کبھی ان کے سفر میں تیزی کا باعث بن جاتا۔ کئی افراد بھوک اور وبائی امراض کا شکار ہو گئے، مرنے والوں کی تعداد (برطانوی اعداد و شمار کے مطابق) 2 لاکھ یا (بعد ازاں بھارتی اندازے کے مطابق) 20 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ تاہم 10 لاکھ ہلاکتوں کو ایک بڑے طبقے میں تسلیم کیا جاتا ہے، اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے، بڑی تعداد میں وحشت و بربریت کے مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ ایک اندازے کے مطابق مخالف مذہب سے تعلق رکھنے والی 75 ہزار عورتوں کو اغوا کر کے زیادتی کی گئی۔ (کچھ واقعات میں ہم مذہب خواتین بھی نشانہ بنیں) ہزاروں خاندان تقسیم ہوئے، گھر تباہ ہو گئے، فصلیں گلنے سڑنے کے لیے چھوڑنا پڑ گئیں، گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ بار بار انتباہ کے باوجود پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کی نئی حکومتیں اس افراتفری سے نمٹنے کے لیے تیار نہ ہو سکیں۔ وہ اس بات کا اندازہ نہ لگا سکیں کہ جو سرحدیں کھینچی گئی ہیں ان کی بنیاد مذہبی شناخت کی عددی گنتی پر رکھی گئی ہے۔ لاتعداد ہندو، لاتعداد مسلمانوں کے مقابلے پر تھے — لوگوں کو ان مقامات کی طرف فرار ہونے پر مجبور کیا گیا جو اُن کے نزدیک ''محفوظ'' تھے، جہاں وہ اپنی قسم کے لوگوں کے گھیرے میں آ گئے۔ لوگوں نے بسوں، کاروں اور ٹرینوں میں

سفر کیا لیکن اکثریت پیدل ہی قافلوں کی صورت میں چلتی رہی، ان کا سفر درجنوں میل پر محیط تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان قافلوں میں سب سے بڑا قافلہ 4 لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ مہاجرین مغربی پنجاب سے مشرق کی جانب بھارت کو سفر کر رہے تھے۔ اس عظیم قافلے کو کسی مقام سے گزرنے میں 8 دِن لگ جاتے۔

یہ تو تقسیم کی عمومی باتیں ہیں اور تاریخ کی کتابوں میں عوامی سطح پر موجود ہیں، لیکن خاص چھپے ہوئے واقعات کا کھوج لگانا مشکل کام ہے۔ ایسی باتیں ان ذاتی نوعیت کی داستانوں سے معلوم ہوتی ہیں جو بھارت اور پاکستان کے کئی گھرانوں میں سنائی جاتی ہیں۔ میں اپنی نسل کے کئی پنجابیوں کی طرح ان کہانیوں کے درمیان پلی بڑھی۔ میرا تعلق بھی تقسیم کے وقت شرنارتھی بننے والے ایک خاندان سے ہے۔ تقسیم کی یادیں، اس وقت کی وحشت اور بربریت پیچھے مڑ کر دیکھیں تو بسا اوقات ماضی ایک دیومالا سا لگتا ہے جب ہندو، مسلمان اور سکھ امن و بھائی چارے سے مل جل کر رہتے تھے۔ یہ کہانیاں بھی میرے ساتھ ساتھ ہیں، میرے ماں باپ لاہور سے آئے۔ وہ شہر جس سے اس کے باسی محبت کرتے اور اس کے بارے میں جذباتی ہوتے ہیں، جو پاکستانی سرحد کے محض 20 میل اندر واقع ہے۔ میری ماں اپنے دو مرتبہ کے خطرناک سفر کے بارے میں بتاتی ہے جب وہ لاہور سے اپنے چھوٹے بھائیوں اور بہن کو بھارت لے کر آئیں۔ میرے والد کو ابھی تک لاہور سے بھاگتے وقت گولوں اور بندوقوں کی آوازیں یاد ہیں۔ میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ یہ کہانیاں سنتی اور ہمیں بمشکل ان پر یقین آتا۔ ہم متوسط طبقے کے ہندوستانی تھے اور ہم نے سکون اور خوش حالی کے اس دَور میں پرورش پائی جب رواداری اور ''سیکولرازم'' معاشرے میں حاوی تھے۔ لوٹ مار، تشدد، جلاؤ گھیراؤ، زیادتی، قتل کی یہ داستانیں مختلف واقعات میں سامنے آئیں جن کی میرے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں تھی۔

پھر اکتوبر 1984ء میں وزیراعظم اندرا گاندھی کو ان کے اپنے محافظوں نے ہلاک کر دیا۔ دونوں سکھ تھے۔ اس واقعہ کے بعد اگلے کئی روز تک پورے ہندوستان میں انتقام اور تشدد کی وبا پھوٹ پڑی۔ بدمستی میں سکھوں پر حملے کیے گئے۔ کئی گھر جلا دیے گئے اور ہزاروں افراد مار ڈالے گئے۔ صرف دہلی کے مضافات میں 3 ہزار سکھ موت کا

MashalBooks.com

شکار ہوئے۔ ان میں سے اکثر کو مٹی کا تیل چھڑک کر زندہ جلا دیا گیا۔ یہ لوگ نہایت ہَول ناک موت مرے۔ جلی ہوئی لاشوں کے نشانات زمین پر نمایاں تھے۔ اندرا گاندھی کے بیٹے راجیو گاندھی ملک کے نئے سربراہ بنے اور حکومت اس نئی صورت حال سے لاتعلق نظر آئی۔ تاہم کئی شہری تنظیمیں امدادی کاموں کے لیے آگے آئیں تاکہ متاثرین کو خوراک اور چھت فراہم کی جا سکے۔ میں بھی ان سینکڑوں امدادی کارکنوں میں شامل تھی۔ ہر روز ہم خوراک اور کمبل تقسیم کرتے، مرنے والوں اور لاپتہ افراد کی فہرستیں تیار کرتے اور تلافی کے کلیم بھرنے میں مدد فراہم کرتے۔ اس وقت ہم ان افراد کی کہانیاں بھی سنتے جو مصائب کا شکار ہوئے۔ اکثر معمر افراد جو 1947ء میں شرنارتھی کی حیثیت سے دہلی آئے، یاد کرتے کہ انھیں پہلے بھی ایسی ہی دہشت کی کیفیت سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ کہتے، ''ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمارے ساتھ یہ سب کچھ اپنے ہی ملک میں ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے تقسیم ایک بار پھر ہوئی ہو۔''

دریائے جمنا کے اُس پار، جہاں میں رہتی تھی وہاں سے محض چند میل دور بالکل عام سے پُرامن لوگوں نے صرف اس لیے اپنے ہمسایوں کو گھروں سے نکالا اور قتل کر دیا کہ ان کا مذہب مختلف تھا۔ تقسیم کے وقت کی کہانیاں اب بہت دُور کی بات معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ ایک ہی ملک، ایک ہی قصبے، ایک ہی گاؤں کے لوگوں کو اب بھی مذہبی اختلاف کی سیاست کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا تھا اور ایک مرتبہ تقسیم ہو گئی تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ دہشت ناک سلوک کے واقعات تو رونما ہوں گے ہی۔ دو سال بعد برطانوی ٹیلی ویژن چینل کے لیے تقسیم ہند پر فلم کی تیاری کے دوران میں مَیں نے زندہ بچنے والے لوگوں سے کہانیاں جمع کرنا شروع کر دیں۔ ان میں سے بیشتر بہت ہَول ناک اور اسی نوعیت کی تھیں جو میں نے اپنے بچپن میں دوسرے یا تیسرے واسطے سے سنی تھیں۔ مجھے ان پر یقین نہیں آتا تھا۔ عورتوں نے زیادتی اور تبدیلی مذہب سے بچنے کے لیے کنویں میں کود کر جانیں دے دیں۔ باپ نے اپنے ہاتھ سے بچوں کا سر قلم کر دیا تاکہ انھیں ایسے کسی رُسوا کن انجام سے بچایا جا سکے۔ اب میں عینی شاہدوں سے خود تلخیوں، انتقام اور نفرت کی تفصیل سن رہی تھی ــــ جیسے جیسے یہ تفصیلات سامنے آئیں انہوں نے مجھے خوف زَدہ کر دیا ــــ وہ بالکل سچ کہہ رہے تھے۔

ان کہانیوں نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا۔ جہاں تک میں جانتی تھی میرے اپنے خاندان کے ساتھ اتنا ظلم اور خون ریز برتاؤ نہیں ہوا تھا۔ لیکن میں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ تقسیم، حتیٰ کہ میرے خاندان میں — تاریخ کا ایک بند باب — جس کے بے رحم سیاسی حالات نے ہم سب کو رُلا دیا، ہم سب کو اب تک تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ تقسیم روزمرہ کی زندگی میں بھی نظر آتی، جیسے ان کے تضادات تھے۔ بارہا میں نے اپنے والدین اور دادی کو لاہور میں اپنے مسلمان دوستوں کا ذکر بڑی محبت اور چاہت سے کرتے سنا اور کتنی ہی مرتبہ میں نے ''ان مسلمانوں'' کے بارے میں ان کی غیر منطقی رائے سنی۔ نہ جانے کتنی بار میں نے اپنی ماں کو اپنے بے وفا بھائی کے بارے میں باتیں کرتے سنا جس نے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی تھی — 1984ء میں یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ تقسیم ہماری زندگی میں کس حد تک موجود ہے۔ اس کا ادراک ہوتے ہی یہ ممکن نہ رہا کہ میں ان چیزوں کو واپس تاریخ کی کتابوں کے اندر رکھ دوں۔ میں زیادہ دیر اس دھوکے میں نہ رہی کہ یہ کسی اور کے لیے بھی ایک مختلف دَور سے متعلق تاریخ ہے۔

میں نے ایک محقق کی طرح اپنے کام کا آغاز تقسیم پر لکھی ہوئی کتابوں کا جائزہ لینے سے کیا۔ وہاں مجھے مواد کی کوئی کمی تو نظر نہ آئی، لیکن انھیں پڑھنے کے بعد میری تسلی نہ ہوئی بلکہ کئی جگہ تو مجھے غصہ آ گیا۔ اگر میں پڑھی جانے والی کتابوں پر یقین کرلوں تو پھر تقسیم ہند بس وہی کچھ ہے جو اگست 1947ء کو وقوع پذیر ہوا۔ ان تفصیلات میں نمایاں باتیں صرف یہ تھیں: کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان خلیج میں پھیلاؤ، جناح اور گاندھی، نہرو، پٹیل کے درمیان مباحثے، اسی طرح سیاسی محاذ پر دیگر پیش رَفت، اس کے علاوہ واقعات کا ایک تسلسل اور پھر تشدد، وسیع پیمانے پر ہجرت، پناہ گزینی اور مہاجرین کی بحالی کے کام — یعنی تقسیم کی ''تاریخ'' صرف سیاسی واقعات میں نظر آئی اور انہی کو فوقیت دی گئی تھی۔ دیگر پہلوؤں — یعنی ان لاکھوں افراد کے ساتھ کیا بیتی جنھیں اس دَور میں جینا پڑا، جسے ہم اس تاریخ کا ''انسانی پہلو'' کہہ سکتے ہیں — کسی نہ کسی وجہ سے اس کی حیثیت کم درجے کی نظر آتی ہے۔ شاید یہ اس لیے ہوا کہ ان لوگوں کو ذرا مختلف اور مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ خسارہ اور شراکت، دوستی اور دُشمنی اور خوشی اور ایک تکلیف دہ احساس کے ساتھ گھر، ملک، دوستوں کے کھو جانے کی حسرت ناک

یادیں ـــــ ان کے ساتھ ساتھ ان تمام پہلوؤں کو ازسرنو زندہ کرنے کی شدید خواہش۔ مجھے اب ان مشکل چیزوں کو اصل حقیقت کے مطابق پیش کرنا تھا۔

اس طرح یہ سوال اُٹھا کہ کیا ان کے لیے تاریخ میں کوئی جگہ نہیں؟ اگر نہیں تو پھر آخر یہ یادیں انفرادی اور اجتماعی یادوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ کیوں زندہ رہیں؟

میں نے جائزہ لیا کہ اس تاریخ کے بڑے سیاسی حقائق کیا کام کرتے ہیں۔ اگر میں ان کا مطالعہ ٹھیک کر رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ تقسیم کا عمل مکمل ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ ماضی کا حصہ بن گیا ہے۔ لیکن ہم سب کے اردگرد ایک مختلف حقیقت بھی ہے۔ ہر جانب تقسیم ہی تقسیم، گروہی کشیدگی، مذہبی بُنیاد پرستی اور مذہب کی بُنیاد پر جاری اختلافات۔ دہلی میں 1984ء کے دروان میں سکھوں کو نسلی فسادات کا نشانہ بنایا گیا۔ 1989ء میں بہار کے شہر بھاگل پور میں بدترین بلوؤں کے دوران میں ہزاروں مسلمانوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے چند برس بعد ایودھیا میں وحشی ہندوؤں نے بابری مسجد کو تباہ کر دیا۔ (ان لوگوں کی بھارتیہ جنتا پارٹی، راشٹریہ سیوک سنگھ، ویشوا ہندو پریشد اور شیو سینا جیسی سیاسی جماعتوں نے کھلے عام پُشت پناہی کی) اس کے بعد سورت، احمد آباد، گجرات اور ممبئی میں ایک بار پھر ہزاروں مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ تقسیم کے متعلق داستانوں اور یادوں کو جارحیت پسندوں نے اپنے من چاہے انداز میں بیان کیا۔ ان بلوؤں میں جنگ جُو ہندوؤں کو اس جانب دارانہ (یک طرفہ) دلیل کے ساتھ متحرک کیا گیا کہ مسلمانوں نے تقسیم کے وقت ہندوؤں کا قتل عام کیا تھا۔ انہوں نے ہندو عورتوں کی عصمت دَری کی تھی، لہٰذا اس کے جواب میں اب انھیں ضرور ہلاک کر دینا چاہیے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا چاہیے۔ یہی نمونے انفرادی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں۔ آزاد بھارت کے اندر ایک مسلمان اور ہندو آسانی سے ایک دوسرے سے شادی نہیں کر سکتا۔ انھیں خوف ہوتا ہے کہ ان دونوں کو یا کسی ایک کو دونوں کے خاندانوں یا برادری کے قہر کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اگر اس قسم کی شادی کسی بنا پر ناکام ہو جائے یا عدالت میں اس کے خلاف فیصلہ آ جائے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ عوامی سطح پر متعصب اعلانات بھی سامنے آئیں گے۔ گزشتہ عدالتی فیصلوں کی

MashalBooks.com

مثالیں دی جائیں گی اور ان عناصر کے بارے میں تبصرے ہوں گے جنھوں نے دوقومی نظریہ قبول کیا یا اسے مسترد کر دیا تھا۔

اس تمام صورت حال میں اس بات پر زور کم نظر آتا ہے کہ تقسیم کے باب کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے گہرے، شخصی معانی، اس کے ٹوٹ پھوٹ پر مبنی اثرات، یا اختلافات جو اُبھر آئے یا مضبوط ہوئے یہ سب کئی لوگوں کی زندگی میں ابھی تک موجود ہیں۔ میں نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ برصغیر کی تقسیم یقینی طور پر ایک سیاسی تقسیم یا جائداد اور اثاثوں کی تقسیم سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ اس حوالے سے تفصیلات بتانے والے مسلسل ایک فقرہ دُہراتے ہیں اور وہ ہے ''دِلوں کی تقسیم''، جس نے اَن کہے مصائب، المیوں، سانحوں، اور ان برادریوں کے درمیان نفرت اور تشدد کو جنم دیا، جو اس وقت تک ایک اَن لکھے سماجی معاہدے کے تحت اکٹھے رہ رہے تھے۔ اس نے خاندانوں کو من مانی سرحدوں سے تقسیم کیا۔ یہ لکیریں بسا اوقات راتوں رات کھینچ دی گئی تھیں۔ اور اس کے بعد لوگوں کے لیے عملی طور پر یہ جاننا ناممکن ہو گیا کہ آیا ان کے والدین، بہنیں، بھائی یا بچے زندہ ہیں یا پھر مر کھپ گئے ہیں۔ ایک ماں اور بیٹی نے جو تقسیم کے وقت فسادات کے دوران میں بچھڑ گئی تھیں، پچاس سال بعد ایک جریدے میں شائع ہونے والی تصاویر میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ رسالے میں بھارت کی آزادی کے پچاس برس مکمل ہونے پر تقسیم کی کہانیوں پر رپورٹ شائع کی گئی تھی اور رپورٹر اور فوٹوگرافر نے تقسیم شدہ خاندانوں سے رابطہ کیا تھا۔ اسی رسالے کی وجہ سے بھائی بہن پچاس سال بعد سرحد پر ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک پاکستانی باپ نے جس کی 13 سالہ بیٹی کو ہندوؤں نے اغوا کر لیا تھا، اپنی بیٹی کی تلاش کے لیے ہندوستان کا کئی مرتبہ چکر لگایا۔ انھی دوروں میں ایک بار پولیس نے اسے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ اس کی بیٹی اسے کبھی نہ مل سکی۔

☆☆☆

تقسیم ہند پر لکھی گئی تاریخ میں ان پہلوؤں—— خاندان کیسے تقسیم ہوئے، سرحد کے آر پار دوستیاں کیسے پنپتی رہیں، لوگ حادثوں اور سانحوں سے کیسے نبرد آزما ہوئے، انھوں نے اپنی زندگیاں دوبارہ کیسے بنائیں، جسمانی اور ذہنی وسائل دوبارہ کس